اسلام اور ہمارا قانونی نظام

عبد القادر عودہ شہیدؒ

(۲)

اسلام کی راہ میں رکاوٹیں: گزشتہ مباحث میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہماری اجتماعی زندگی تناقض، تصادم، انتشار اور فساد سے لبریز ہو چکی ہے اور گوناگوں مصائب و مشکلات نے ہمارے معاشرے کو بالکل ہی گھیر دبوچ لیا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے جملہ امراض کا علاج اور سارے دکھوں کا مداوا اسلام ہے۔ مسلمان صرف اس حقیقت کے اعتراف ہی پہ اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اس بات کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں کہ ان کی حیاتِ اجتماعیہ کو اسلام کے احکام و قوانین کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس علم و اعتراف اور اس مطالبے کے باوجود ہم اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ہو رہے ہیں اور کوئی شے ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے درمیان برابر حائل ہو رہی ہے۔ اگر مسلمان بلادِ اسلامیہ کے اندر اقلیت میں ہوتے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ غیر مسلم اکثریت طالب اور مطلوب کے مابین حائل ہے لیکن امر واقعہ اس کے خلاف ہے۔ مسلمان اپنے بیشتر ممالک میں غالب اکثریت کے مالک ہیں ان میں سے بہت سے ممالک ایسے ہیں جن کا سرکاری دین بھی اسلام ہے۔ پھر یہ ممالک جمہوریت کے بھی مدعی ہیں اور ان کے دساتیر میں اس مفہوم کی واضح دفعات بھی موجود ہیں کہ یہاں حکومت اور قوانین کی تشکیل جمہوری یعنی اہلِ ملک کی اکثریت کے حسبِ منشا عمل میں لائی جائے گی۔ پھر اسلام کی راہ میں آخر رکاوٹ کیا ہے؟ اگر آپ غور کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس راہ میں بڑی رکاوٹیں صرف دو ہیں: ایک مغربی استعمار، دوسری مسلمانوں کی اپنی حکومتیں۔

استعمار: سامراج اور استعمار، اسلام کا دشمن نمبر ایک ہے۔ اسی نے سب سے پہلے اسلامی قوانین کی تنسیخ اور ان کی جگہ پر غیر اسلامی قوانین کی ترویج کے لیے راستہ ہموار کیا ہے۔ اسلامی قوانین کے بل پر ایک مکمل اسلامی معاشرہ جہاں وجود میں آ جاتا ہے وہاں مغربی استعمار و استبداد اپنے قدم ہرگز نہیں جما سکتا۔ اسے لازماً راہِ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اسلام

مسلمانوں میں صرف اللہ کے کلمے کو بلند دیکھنا چاہتا ہے اور استعمار کی آلائشوں کو کسی حالت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلام مسلمان کے لیے حرام قرار دیتا ہے کہ وہ کفر کے سامنے کسی لحاظ سے بھی جھکے یا اُس سے کسی حیثیت میں بھی دبے۔ اسلام نے مسلمان کو یہ سکھایا ہے کہ وہ استعمار کے خلاف ہر لحظہ سربکف اور شمشیر بدست رہے اور اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جس وقت تک دین اسلام کو غلبہ نصیب نہ ہو جائے، اسلام کا بول بالا اور کفر کا بول پست نہ ہو جائے۔ اسلام نے امپیریلزم سے مودت و موالات کو حرام کر دیا ہے اور اُس سے نفرت و کراہیت کو واجب قرار دیا ہے۔ اب آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ سامراج اسلامی فضا میں کیسے جڑ پکڑ سکتا اور پروان چڑھ سکتا ہے اور جس فضا میں سامراج قدم جمالے وہاں اسلام کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

اسلام روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو ایک امت قرار دیتا ہے اور اُن سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہوں۔ اعدائے اسلام مسلمان ممالک میں سے ایک ایک کو تو اپنے دامِ تزویر کا شکار بنا سکتے ہیں لیکن ساری دنیا کی اسلامی وحدت کا مقابلہ بھلا وہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ممالک میں اسلامی قوانین نافذ ہونے کے بجائے الگ الگ قومی اور غیر اسلامی قوانین نافذ ہوں اور ایک بین الاقوامی اسلامی قومیت نشو و نما پانے کے بجائے اُن میں الگ الگ ملکی اور نسلی قومیتیں نشو و نما پائیں۔ جب تک دنیا میں استعمار باقی ہے اسلام اور استعمار کی لڑائی بھی باقی ہے۔ اگر مسلمانوں میں قوت ہے تو وہ برابر اس دشمن کے خلاف سینہ سپر رہیں گے۔ اگر ان میں قوت نہیں تو وہ برابر فراہمیٔ قوت کے لیے جد و جہد کرتے رہیں گے۔ وہ استعمار سے ہنگامی معاہدات اور مصالحت کر سکتے ہیں لیکن جونہی وہ مستعمرین کی طرف سے خیانت اور نقصان کا خدشہ محسوس کریں گے، وہ معاہدات کو اُن کے منہ پر دے ماریں گے اور علانیہ اُن کے خلاف جنگ آزما ہو جائیں گے۔ اسلام میں احتکار، جبری استحصال، ناجائز نفع اندوزی اور سود کی ساری شکلیں حرام ہیں اور یہی وہ اصل ستون ہیں جن کے سہارے استعمار کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اگر یہ ستون ہٹا دیئے جائیں تو سامراجی محل آناً فاناً فرشِ خاک ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سامراج سیاسی یا اقتصادی حیثیت سے جب بھی مسلمان ممالک میں راہ پاتا ہے تو اُس کی اوّلین کوشش یہ ہوتی ہے کہ اُس ملک میں اسلامی احکام و قوانین کو معطل اور منسوخ کیا جائے۔ ایک رستے سے اگر استعمار داخل ہونا شروع ہوتا ہے تو دوسرے رستے سے اسلام خارج ہونا شروع

ہو جاتا ہے۔

سامراجی ہتھکنڈے سامراج اپنے مقصد کے حصول کے لیے اور اسلام اور مسلمانوں کے مابین حائل ہونے کے لیے عجیب غریب اور طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کا ناصح مشفق بن کر انہیں مشورہ دیتا ہے کہ وہ اسلام کے قوانین پارینہ کو ترک کر کے مغرب کے قوانینِ جدیدہ کو اخذ کریں کیونکہ وہ قوت و ترقی اور تہذیب و شائستگی کے ضامن ہیں حالانکہ درحقیقت وہ ضعف و اضمحلال اور ہلاکت و فساد کا باعث ہیں۔ استعمار پسند مسلمانوں کے جذبۂ جہاد اور فراہمی قوت سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں، اس لیے وہ اس امر کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ جذبہ بیدار اور یہ قوت پیدا نہ ہونے پائے۔ ہمیں برطانیہ کے وزیر اعلیٰ گلیڈسٹون (GLAD STONE) کے وہ الفاظ کبھی نہیں بھولنے چاہئیں جو انہوں نے دارالعوام میں کھڑے ہو کر کہے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے: "برٹش امپائر کے قدم اس وقت تک اسلامی ممالک میں نہیں جم سکتے جب تک ان میں یہ کتاب موجود ہے جسے "قرآن" کہا جاتا ہے۔"

امپیریلسٹ طاقتیں اپنے واعظین اور مشنریوں سے بھی مدد لیتی ہیں۔ چونکہ ان طاقتوں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ علانیہ اور براہ راست مسلمانوں کو کافر بنانا اور اسلام سے ترک و انحراف پر انہیں آمادہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے اب بالواسطہ تدریج کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے مقام رفیع سے زینہ بزینہ نیچے اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مغرب کے مبلغین ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ مذہب اور علم و عقل کا کوئی جوڑ نہیں ہے اور دین نے ہمیشہ علم و فن کے ارتقا کو روکنے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مسیحی چرچ کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جب تک ان دونوں کے دائرہ کار کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر دیا گیا اقوام یورپ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکیں۔ وہ مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ان کے زوال کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ دین سے غیر معمولی وابستگی رکھتے ہیں اور زندگی کے ہر معاملے میں مذہب سے رہنمائی طلب کرتے ہیں۔ ان کے بقول جب تک دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر دیا جائے گا اور یورپ والوں کی طرح جب تک لادینی حکومتوں کا قیام عمل میں نہیں آئے گا، اس وقت تک مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ مغربی مفکرین و واعظین کا یہ جادو بہت حد تک کام کر گیا ہے۔ ہمارے اپنے بہت سے مصنفین اور سیاسیین نے بھی اب یہی راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ذہن کو مسموم کر دیا ہے اور استعمار پرستوں اور مشنریوں کے لیے زمین کو بہت حد تک ہموار کر دیا ہے۔ ہم میں سے بہت سے نام نہاد

مسلمان ایسے ہیں جن کے ذہن، قلم اور زبان کو حقیر قیمت کے عوض خرید لیا گیا ہے۔ ان سے دین کی مخالفت کرائی جاتی ہے اور مسلمانوں میں اس بات کی تبلیغ کرائی جاتی ہے کہ وہ تمام دنیوی معاملات سے دین کو بے دخل کر دیں اور اہل مغرب کی طرح مذہب اور سیاست کے تعلق کو بالکل ختم کر دیں۔ اس طریقے سے سامراجی طاقتیں اسلام اور مسلمین کے مابین حائل ہو کر اپنی گرفت کو مضبوط کرتی ہیں۔

اسی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سرکاری مدارس میں دینی تعلیم کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ دنیوی تعلیم میں نصاب سارے کا سارا مغرب سے مستعار لیا جاتا ہے۔ جو طلبہ ان مدارس سے سندیں لے کر نکلتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ حکومت و سیاست کے معاملات میں دین کو مداخلت کا اہل نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں دین کو دنیوی معاملات سے کوئی علاقہ نہیں ہونا چاہیے اور اسے صرف خدا اور بندے کے تعلق سے بحث کرنی چاہیے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دین کے احکام سے نجات پائے بغیر کوئی قوم ترقی کے منازل اور تہذیب کے مدارج طے ہی نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ اگرچہ دین کی ابجد سے بھی ناواقف ہوتے ہیں لیکن اس جہالت کے باوجود وہ دین کے بارے میں فیصلے صادر فرمانے کی جسارت کرتے ہیں۔ افسوس کہ مسلمانوں کی حکومت اور ان کی تعلیم و تربیت کی باگ ڈور آجکل ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی تعلیم و تربیت کی فضا میں سے خال خال ہی لوگ ایسے ایسا ہی فطرت کے نکل سکتے ہیں جو اپنے گردوپیش پر تنقید، محاسبہ اور موازنہ کی نگاہ ڈالیں اور اس حقیقت کو بھانپ لیں کہ استعمار اپنا کام کس مستعدی اور صفائی سے سرانجام دے رہا ہے اور کس طرح ان لوگوں کو اپنا آلۂ کار بنا رہا ہے۔

دین و سیاست کی علیحدگی اگر مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ یورپ کی "ترقی" کا راز دین و سیاست کی جدائی میں مضمر ہے تو یہ ان کی سادہ لوحی اور بے خبری کی بہت بڑی دلیل ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس مسیحیت سے یورپ آشنا رہا ہے اس میں حکومت، سیاست اور دوسرے اجتماعی معاملات سے متعلق احکام و ضوابط سرے سے تھے ہی نہیں کہ مذہب کو سیاست سے جوڑنے یا توڑنے کا سوال پیدا ہوتا۔ مسیحیت کو عروج اس وقت نصیب ہوا ہے جب رومن امپائر نے اس کی سرپرستی کو قبول کیا اور اُسے سرکاری مذہب قرار دے کر اُس کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا۔ اس وقت اس سلطنت کا اپنا ایک مکمل قانون موجود تھا جسے آج تک "رومن لا" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عیسائیت کے سرکاری مذہب قرار دیئے جانے سے پہلے بھی اور اُس کے بعد بھی اس سلطنت کا قانون یہی رومی

قانون تھا۔ اور اس وقت جبکہ یورپ کی بیشتر ریاستیں اپنے آپ کو سیکولر ریاست کہلانا پسند کرتی ہیں، ان کے قوانین کی اساس اسی رومی قانون ہی پر رکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیحیت میں نہ تو ریاست کی رہنمائی کے لیے کوئی قانونی ضوابط کا سرمایہ موجود تھا اور نہ ہی اُسے ریاست کے قوانین میں مداخلت کا کوئی خاص موقع مل سکا۔ البتہ عیسائیت کے سرکاری مذہب ہو جانے کا اتنا نتیجہ ضرور نکلا کہ اس کی بعض اخلاقی ہدایات کا اثر قانون سازی پر مترتب ہوا۔ لیکن اس کے بعد ایک افسوسناک صورتِ حال رونما ہوئی اور وہ یہ کہ اربابِ کلیسا نے اربابِ حکومت سے ایک ناپاک سازش اور خفیہ گٹھ جوڑ کر لی اور خدایانِ کلیسا تختِ سلطنت پر متمکن ہو گئے۔ شریعت کے احکام تو اُن کے ہاں تھے ہی نہیں۔ انہوں نے اپنی عقل کے بل پر، بلکہ اٹکل پچو اور نفسانیت کی بنا پر کچھ اصول و ضوابط گھڑ لیے اور انہیں مذہب اور خدا کے نام پر لوگوں کے سر منڈھنا شروع کر دیا تاکہ عوام کو اپنی خواہشات کا غلام بنا کر رکھیں۔ کچھ عرصے تک یہ صورتِ حال قائم رہی لیکن بعد میں سیاست اور فکر و نظر کے میدان میں ان مذہبی اجارہ داروں کے رقیب پیدا ہو گئے۔ غلبہ و اقتدار کے حصول کی خاطر ان دونوں گروہوں میں شدید اور خونریز کشمکش برپا رہی جس میں آخر کار خدایانِ کلیسا کو شکستِ فاش نصیب ہوئی اور ان کے مخالفین سیاست و سیادت کے مقام پر فائز ہو گئے۔

درحقیقت یہ لڑائی دین و الحاد کی لڑائی نہیں تھی اور نہ ہی بنائے نزاع یہ اصول تھا کہ ریاست و سیاست کا دین سے تعلق ہو یا نہ ہو۔ حقیقت میں یہ ایک جنگِ اقتدار تھی جو خالص ہوائے نفس کی بنیاد پر لڑی جا رہی تھی۔ دین و مذہب سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ایک طرف کلیسا کے ٹھیکیدار تھے جو "مذہب" کے نام پر فریب کاری کر رہے تھے، دوسری طرف عام سیاست باز تھے جو قوم کے عوام اور "جمہور" کے نام پر اپنا سکہ چلانا چاہتے تھے۔ یہ اصولوں کی جنگ نہیں تھی بلکہ افراد و ذاتیات کی جنگ تھی جو پورے بے اصولے پن کے ساتھ لڑی جا رہی تھی۔ ریاست اور اُس کے قانون کی دین سے جتنی کچھ وابستگی یا علیحدگی پہلے تھی وہ کم و بیش اب بھی موجود ہے۔ اگر آپ گزشتہ چند صدیوں کے یورپین قوانین کا مطالعہ کریں تو آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ ان میں کوئی بنیادی اور اہم تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے سوائے اس کے کہ پہلے حاکمیت "چرچ" کے نام پر مندرج تھی اور اب "جمہور" کے نام درج ہے۔ ورنہ حال وہی ہے کہ پہلے بھی چند انسان اپنے ظن و تخمین کی بنا پر قانون سازی کرتے

تھے اسباب بھی چند انسان اپنے گمان و قیاس کے بل پر قانون بنا رہے ہیں۔ قانون کی بنیاد بھی وہی ہے مدد من لاہے اس میں صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے جتنی مختلف حالات و ادوار میں ناگزیر سمجھی گئی ہے۔

تاریخی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کلیسا اور اس کے مخالفین کے مابین جو کشمکش برپا ہوئی ہے اس سے دو نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک خاص گروہ کے سیاسی اقتدار کو مذہب کی حمایت حاصل نہیں ہے اور اس کا امکان باقی نہیں رہا کہ ایک خاص طبقہ مذہب کے نام سے ہمیشہ حکومت پر قابض یا غالب رہے۔ دوسرے یہ کہ اب خیال و عقیدہ کی آزادی حاصل ہوگئی ہے۔ اہل کلیسا لوگوں سے ایک خاص عقیدہ بجبر منواتے تھے اور جو نہیں مانتا تھا اُسے انواع و اقسام کی اذیتوں میں مبتلا کرتے تھے۔ یہ دونوں نتائج اپنی جگہ پر بہت مفید ہیں اور ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے حصول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب دین اور سیاست میں کوئی رشتہ باقی نہیں ہے یا اس رشتے کو اب ختم کیا جانا چاہیے۔ دین پر قانون کی بنا رکھنے کا بھی یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ سیاست و حکومت پر کسی خاص طبقے کی اجارہ داری قائم کی جائے یا لوگوں کو کسی خاص عقیدے کا بزدستی پیرو بنایا جائے۔ کم از کم اسلام میں ایسی صورت پیدا ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام میں علماء و فقہاء کا کوئی نسلی یا پیشہ ور گروہ نہیں ہے۔ ہر مسلمان عالم اور فقیہ بن سکتا ہے اور اسلام کا اس سے مطالبہ ہی یہی ہے کہ وہ عالم اور فقیہ بنے اور جاہل نہ بنے۔ اسلام کے قوانین و احکام کے لحاظ سے بھی علماء و فقہاء کو کوئی ایسے پیدائشی حقوق نہیں دیئے گئے ہیں جن سے دوسرے مسلمانوں کو محروم کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح اسلام میں عقیدہ و خیال کی بھی پوری آزادی ہے اور لوگوں سے زبردستی کوئی عقیدہ تسلیم کرانا قطعاً ممنوع ہے۔ قرآن میں صاف آیا ہے کہ لا اکراہ فی الدین، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ "اُمرنا بترکھم وما یدینون" (ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے دین پر چلنے کے لیے چھوڑ دیں)۔

بلاد اسلامیہ اور بلاد یورپ مسلمان ممالک کا حال یورپین ممالک سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارا دین مسیحیت کی مانند نہیں ہے۔ ہمارے دین میں جس طرح زندگی کے ہر معاملے سے متعلق واضح اور قطعی احکام موجود ہیں، اسی طرح سیاست و حکومت کے بارے میں بھی بالکل صاف اور صریح احکام موجود ہیں۔ اس وجہ سے اس امر کا ہرگز خدشہ نہیں ہے کہ اگر قوانین کی بنا دین پر ہو تو حکمران یا علماء من گھڑت قوانین کو خدا اور مذہب کے نام پر

پیش کر دیں گے۔ اسلامی قوانین پر مبنی حکومتوں کی کارفرمائی ہمارے ہاں صدیوں تک رہی ہے۔ ان میں اسلامی ہدایات سے انحراف بھی ہوا ہے مگر انحراف کو ہمیشہ انحراف سمجھا گیا ہے۔ اُسے مذہبی تقدیس کبھی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام میں سیاست و حکومت سے متعلق احکام و ہدایات اسلامی تعلیمات کا ایک اہم اور لاینفک جزو ہیں۔ اگر انہیں ترک کر کے ان کی جگہ پر غیر اسلامی قوانین کو رائج کیا جائے تو یہ دین سے صریح خروج اور بغاوت کے مترادف ہے۔ عیسائیوں نے جب مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا اعلان کیا تھا، عملاً انہیں اپنے قوانین میں تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ عیسائیت کا دامن قانون و شریعت سے پہلے ہی تہی تھا اور رومی قوانین کو پہلے ہی بالادستی حاصل تھی۔ بہر حال نہ ہی اس معاملے میں اسلام کو مسیحیت پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس معاملے میں مسلمانوں کی تاریخ اور یورپ کی تاریخ میں کسی طرح کی مماثلت پائی جاتی ہے۔

دین موجب زوال نہیں ہے

استعمار پرست اور ان کے شاگردانِ رشید ہمارے ممالک میں یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا باعث اتباعِ دین ہے۔ لیکن اکثر مغربی ممالک خود اب تک مذہب کے پابند ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی حکومتیں اور ان کے عوام کروڑوں پاؤنڈ عیسائیت کی تبلیغ پر خرچ کر رہے ہیں۔ اگر مذہب کی پابندی موجبِ زوال ہے تو یہ ممالک اپنے مذہب کو خیرباد کیوں نہیں کہتے اور دوسروں میں اس کی تبلیغ سے کیوں باز نہیں آتے۔ کسی اور مذہب کی پیروی زوال کا باعث ہو یا نہ ہو، اسلام کی پیروی تو انسان کو عروج و ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے والی ہے۔ اسلام نے مسلمان پر واجب ٹھہرایا ہے کہ وہ قوت، عزت، تفوق اور قیادت کے اسباب و وسائل فراہم کرے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ مسلمان خیر کا داعی بنے اور بھلائی کے سارے کاموں میں دوسروں سے تعاون کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ساری انسانی برادری کو مساوات، اخوت اور عدل کی بنیادوں پر منظم کرے اور اُسے خوف، جہل، ضعف اور فقر سے نجات دلائے۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا سے ظلم، جبر و استبداد، احتکار اور ناجائز استحصال و انتفاع کو مٹائے۔ اللہ نے جس شکل میں اسلام کو نازل فرمایا ہے اگر اُسے اسی کامل و جامع شکل میں نافذ کر دیا جائے تو نوعِ بشری کے جملہ مصائب و آلام کا خاتمہ ہو جائے اور دنیا کی ہر مشکل آسان ہو جائے۔

اسلام اور استعمار کی آویزش

اسلام اور استعمار اپنی فطرت و طبیعت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ چنانچہ حال یہ ہے کہ اسلام سے استعمار اس حد تک خائف و ہراساں رہتا ہے کہ اسلام کی آمد کے تصور سے

دن کا چین اور راتوں کی نیند استعمار کے حق میں حرام ہو جاتی ہے۔ سیاسی پارٹیوں کا انبوہ کثیر دیکھ کر سامراج کے ماتھے پر بل تک نہیں آتا لیکن ایک مٹھی بھر اسلامی جماعت کا وجود اسے انگاروں پر لوٹا دیتا ہے۔ سامراج جانتا ہے کہ عام سیاسی جماعتیں مادی اور ذہنی مقاصد کی طالب ہیں اس لیے انہیں راضی اور مطمئن کر لینا زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن حقیقی مسلمان رضائے الٰہی اور شہادت فی سبیل اللہ کا طالب و متلاشی ہے ایسے مسلمان کو اپنے مطلوب کی تلاش سے غافل کرنا اور کسی کمتر متاع دنیا پر اسے قانع اور مطمئن کر لینا آسان نہیں ہے۔ مسلمان ممالک میں جب جہاد و قتال اور شہادت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے تو مغربی طاقتیں مسلمان حکمرانوں سے ساز باز کرتی ہیں اور ان سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ اسلام کے داعیوں پر تشدد کریں اور انہیں اللہ کی راہ میں پیش قدمی کرنے سے روکیں۔ لیکن سچے مسلمان دبنے اور ہتھیار ڈالنے سے انکار اور ابا کرتے ہیں اور یگانوں اور بیگانوں کی اس دوہری لڑائی کے مقابلے میں اللہ سے صبر و ثبات اور استقامت کی دعا مانگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام غافل مسلمانوں کی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں، وہ برأی العین اس کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا اصل دشمن کون ہے اور ان کی دلی ہمدردیاں اور ان کا عملی تعاون آخر کار انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کا لڑنا مرنا خالص اسلام کے لیے ہے۔

<u>آخری معرکہ</u> | اسلام اور سامراج کی کشمکش اب ایک نئے اور انتہائی نازک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ یورپ و امریکہ کے پرانے سامراج کے پیٹ میں اب نیا سامراج جنم لے چکا ہے بلکہ پروان چڑھ چکا ہے۔ یہ روسی سامراج ہے جس کی ہیبت ناک اور مہیب پرچھائیں اسلامی ممالک پر پڑ رہی ہیں۔ پرانے سامراج کو اس امر کا بخوبی علم ہے کہ اس یاجوج ماجوج کے بالمقابل اگر کوئی شے سدِ سکندری کا کام دے سکتی ہے تو وہ فقط اسلام ہے۔ استعمارِ قدیم اب دو بلاؤں کے درمیان گھر گیا ہے۔ اگر وہ روس کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیتا ہے تو اسے یقین ہے کہ اشتراکیت کا دیو ہر چیز کو چٹ کر جائے گا اور پرانے سامراج اور اس کے متعلقات اور باقیاتِ سیئات کا بھی قطعی صفایا ہو جائے گا۔ اگر استعمارِ قدیم اسلام کی آمد کو نہیں روکتا، تب بھی اسلام اس استعمارِ قدیم کے آثار کو بلادِ اسلامیہ سے محو کر دے گا۔ پرانے سامراج کی اب کوشش یہ ہے کہ وہ کرائے کا سپاہی بنا کر مسلمانوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرے اور روسی الحاد کے مقابلے میں خدا پرستی کی دہائی دے کر مسلمانوں کو اپنے حق میں اور روس کے خلاف استعمال کرے لیکن یہ ایک خوابِ پریشاں ہے جو اللہ نے چاہا تو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

اسلام استعمار جدید اور استعمار قدیم دونوں کو ایک ہی درجے میں رکھتا ہے اور دونوں کو انتہائی نفرت، غضب اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اسلام سے بغض رکھتے ہیں اور محض مسلمان ممالک پر تسلط حاصل کرنے کے لیے اور وہاں سے ایک دوسرے کو بے دخل کرنے کے لیے آپس میں لڑتے ہیں۔ آخر مسلمانوں کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دشمن کی حمایت میں دوسرے دشمن کے خلاف لڑیں۔ اسلام کا اور مسلمان کا فائدہ اس میں ہے کہ وہ یا تو غیر جانبدار کی حیثیت سے انتظار کرے یا اگر لڑے تو محض اپنی حمایت و محافظت میں لڑے۔ اینگلو امریکی اور روسی بلاک کی اس آویزش کے ذریعے سے درحقیقت اللہ نے مسلمانوں کے لیے دونوں دشمنوں سے نجات پانے کا ایک موقع فراہم کیا ہے۔ یہ دراصل دو چوروں کی لڑائی ہے جو ہمارے گھر میں نقب زنی کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ہاں چوری اور نقب زنی کی راہ ہموار کریں تو ہم ایک چور کے مقابلے میں دوسرے چور کی امداد کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم اپنا گھر بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں چوکنا ہو کر اس لڑائی کے انجام کا منتظر رہنا چاہیے اور جو فریق بھی ہماری طرف بڑھے اس سے لڑنا چاہیے۔ ایک سچے مسلمان کو کبھی بھی امپیریلسٹوں کے جال میں نہیں پھنسنا چاہیے اور جب تک وہ مسلمان ممالک میں اپنے ظلم و ستم اور اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئیں، اس وقت تک ان پر قطعاً اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام اور استعمار اس وقت میدان کارزار میں ہیں۔ آخری معرکے کا وقت آن پہنچا ہے۔ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو یوم موعود کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ انشاء اللہ مومنین اللہ کی نصرت و تائید سے سرفراز ہوں گے۔ سرمایہ داروں اور بالشویکوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انجام کس کے حق میں ہے۔